عصمت چغتائی کا افسانہ 'جڑیں' قومی یکجہتی کا ترجمان

نگہت امین

شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ (یوپی)، موبائل:7055990169

اردو فکشن میں عصمت ایک ایسی خاتون افسانہ نگار ہیں جن کی کہانیاں فنی تقاضوں کو پورا کرتی ہیں۔انھوں نے اپنی کہانیوں میں مسلم متوسط طبقہ کی زندگی اور عورتوں کے ذاتی مسائل کو جگہ دی ہے اور فرسودہ رسم و رواج کی مخالفت کی۔ان کے اکثر افسانے حقیقت سے بہت قریب ہوتے ہیں۔اس ضمن میں ''چوتھی کا جوڑا''، ''بہو بیٹیاں''، ''سونے کا انڈا''، ''لحاف''، ''بے کار''، ''ایک شوہر کی خاطر''، ''ننھی کی نانی'' اور ''بھول بھلیاں'' جیسے افسانوں کا ذکر کیا جا سکتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی انھوں نے ایسے افسانے بھی لکھے جو تاریخی، معاشرتی اور قومی یکجہتی کے آئینہ دار ہیں۔ان میں رجعت پسندانہ اقدار اور معاشی و انسانی تقسیم کے خلاف زبردست احتجاج پایا جاتا ہے۔خصوصاً ہندوستان کی یکجہتی اور سالمیت کو برقرار رکھنے کے لیے انھوں نے بعض عمدہ افسانے لکھے۔ان کے ذریعے وہ ایک ایسے سماج کو تشکیل دینا چاہتی ہیں جس سے ملک کے تمام افراد یا فرقوں کے درمیان ایسی ہم آہنگی ہو جائے کہ وہ ذات پات اور مذہبی تفریق کو مٹا کر ایک دوسرے کے دکھ درد کا مداوا کرنے لگیں۔لیکن ملک میں جس نوع کی مفاد پر مبنی قومی یکجہتی اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے، نیز خود کو برتر ثابت کرنے کی ہوڑ لگی ہوئی ہے، اس سے عصمت نے ہمیشہ اپنی خفگی کا اظہار کیا۔اپنے ایک انٹرویو میں انھوں نے کہا تھا:

''آج کل قومی یکجہتی پر بہت زور دیا جا رہا ہے کہ جیسے ملک کے سارے قومی یکجہتی نہ ہونے کی وجہ سے تباہی پھیلا رہے ہیں۔اگر قومی یکجہتی منظور تھی تو مذہب کے نام پر ملک ہی کو کیوں تقسیم ہونے دیا اور اگر مذہب کے نام پر تقسیم کی گئی تو اس پر پوری طرح پہلے عمل کیوں نہیں کیا گیا، جنھوں نے تقسیم کے لیے ووٹ دیے تو پھر مذہب کے مطابق پہلے سکون سے بٹ جاتے۔پھر ملک کی آزادی کا جشن منایا جاتا جو پاکستان کے لیے ووٹ دیتے وہ آرام سے چلے جاتے۔اس میں چند سال لگتے، آزادی چند سال بعد ملتی، اتنا خون خرابہ تو نہ ہوتا، لوگ آرام سے اپنی جائداد، زمینیں باغات، مکانات ٹھکانے لگا کر خوشی خوشی اپنی پسند کے ملک میں بس جاتے پھر مذہب میں گورنمنٹ کا کوئی دخل نہ ہوتا۔سب یا تو ہندوستانی ہوتے یا پاکستانی۔مذہب کی مکمل آزادی ہوتی مندر مسجد اسی طرح قائم رہتے۔یہ بابری مسجد اور رام جنم بھومی کا جھگڑا ابھی نہ ہوتا، آج بھارت کے لیڈر ایک دوسرے کو خوب گالیاں دیتے ہیں ان کی آپس کی جوتم پیزار، لوٹ کھسوٹ سے جنتا کیسا خوبصورت سبق حاصل کرتی ہے۔بڑے بڑے چور ثابت کیے جائیں تو کیوں نہ چوری، لوٹ کھسوٹ، مار پیٹ کو قومی کردار مان لیا جائے۔عوام سے قومی یکجہتی کی فرمائش کی جاتی ہے اور حاکم طبقہ جوتم پیزار میں جٹا ہوا ہے۔جب بڑے ہاتھا پائی پر اتارو ہوں تو چھوٹے بھی ان سے داؤ پیچ سیکھ لیتے ہیں اور قومی یکجہتی ہو تو اس کی پرچھائیاں نیچے بھی پڑیں۔''[1]

حقیقت یہ ہے کہ عصمت قومی یکجہتی کے اصل تصور کو عملی جامہ پہنانا چاہتی تھیں۔دکھاوا انھیں قطعی برداشت نہیں تھا۔یہی وجہ ہے کہ وہ تقسیم ملک کی مخالف تھیں۔تقسیم ہند کے بعد بعض معاصرین ہندوستان چھوڑ کر چلے گئے تو عصمت کو بے حد تکلیف ہوئی اور وہ ہمیشہ اس بات سے نالاں رہیں۔یہاں تک کہ ان کا کنبہ پاکستان ہجرت کر گیا تو اپنے کنبے کی پروا کیے بغیر ہندوستان ہی میں عصمت نے قیام کرنا پسند کیا۔تقسیم ملک کا انھیں زندگی بھر دلی رنج رہا۔وہ دکھ بھرے دل سے اپنے جذبات کا اظہار کرتی رہیں۔بقول جگدیش چندر ودھاون:

''وہ ملک کی تقسیم کے خلاف تھیں اور جہاں ان کے بیشتر اعزا و اقارب اور دوست احباب پاکستان ہجرت کر گئے، وہ ہندوستان میں ثابت قدمی اور پامردی سے ڈٹی رہیں۔ان کے نزدیک اس معاملے میں مصلحت کوشی کو دخل نہ تھا بلکہ ان کے لیے یہ جزو ایمان تھا۔وہ روزِ اول سے ہی دل و جان سے سیکولر

تھیں اور روزِ آخر تک سیکولر رہیں۔ تقسیم ملک کے بحران کی
گھڑی میں ہندوستان سے ہجرت کر جانا ان کے نزدیک ان
کے نظریات کی تکذیب تھی۔''[۲]

عصمت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ قومی یکجہتی کے معاملے کو انھوں نے ہندو مسلم نقطۂ نظر سے کبھی نہیں دیکھا۔ ہمیشہ انھوں نے انسانیت کی نگاہ سے اس کا محاسبہ کیا۔ اس نازک موضوع پر عصمت نے بے حد نمایاں اور واضح انداز میں قلم اٹھایا۔ ایک جگہ انھوں نے تقسیم ہند کا ذکر کچھ اس انداز سے کیا ہے:

''انگریز چلے گئے اور چلتے چلتے ایسا گہرا گھاؤ مار گئے جو
برسوں رِسے گا۔ ہندوستان پر عملِ جراحی کچھ ایسے لنجے ہاتھوں
اور کٹھل نشتروں سے ہوا ہے کہ ہزاروں شریانیں کٹ گئی
ہیں۔ خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں۔ کسی میں اتنی سکت نہیں کہ
ٹانکہ لگا سکے۔''[۳]

عصمت جب اپنی تحریروں میں حب الوطنی اور قومی یکجہتی کا اظہار کرتی ہیں تو وہ محض انسانوں کا اجتماع نہیں بلکہ زندگی کے اعلیٰ تر مقاصد کے حصول کے لیے ذہنوں کی باہمی قرابت کی خواہاں نظر آتی ہیں۔ یہی وجہ ہے انھوں نے ''جڑیں'' جیسا افسانہ اردو ادب کو عطا کیا۔ جو ''ہندو مسلم'' دو خاندانوں کے بیچ محبت و دوستی کے اٹوٹ رشتے کی کہانی ہے جن کی یکجہتی کو دیکھ کر رشک کیا جا سکتا ہے، لیکن جب انگریزوں کے اقتدارِ ہوس اور تقسیم ملک نے ہر طرف افراتفری کا ماحول پیدا کیا تو خونی رشتے خون کے پیاسے بن گئے۔ ہندو مسلمان ایک دوسرے کے دشمن ہونے لگے اور ہجرتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ چنانچہ اس آگ کی تپش ''روپ چند'' اور ان کے مسلمان پڑوسی کے دل میں بڑھنے لگتی ہے اور تمام رشتے ناطے ختم ہو جاتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ جب مسلمان خاندان پاکستان کے لیے روانہ ہو جاتا ہے اور ایک بوڑھی عورت پاکستان جانے سے انکار کرتی ہے جس کو اپنے ملک اور اپنے گھر اور اس کی ایک ایک اینٹ سے محبت ہے تو وہ بہت کچھ برداشت کرنے کے بعد اپنے لب کچھ اس طرح وا کرتی ہے:

''میرے ٹرنک کو ہاتھ نہ لگانا۔ اماں کی زبان آخر کو کھلی اور سب
ہکا بکا رہ گئے۔''

''کیا آپ نہیں جائیں گی؟ بڑے بھیا ترشی سے بولے۔''

''نوج موئی میں سندھوں میں مرنے جاؤں۔ اللہ ماریاں۔
بُرکے (بُرقے) پاجامے پھڑکاتی پھرے ہیں۔''

''تو راولپنڈی چلو فریدہ کے یہاں۔ خالہ بولیں۔''

''توبہ میری اللہ پاک پنجابیوں کے ہاتھوں کسی کی مٹی پلید نہ
کرائے۔ مٹ گئی دوزخیوں کی تو زبان بولے ہیں۔''

''آج میری کم سخن ماں پٹاپٹ بولیں۔''[۴]

مذکورہ بالا اقتباس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ وہ بے سہارا بوڑھی خاتون جس کے سر سے شوہر کا سایہ اُٹھ چکا ہے، ہندوستان کی دھرتی کو دل و جان سے عزیز سمجھتی ہے، اسے وطن سے جدائی کسی صورت گوارہ نہیں، جہاں اس کی جڑیں ہیں وہ اسی کو اپنا وطن سمجھتی ہے۔ اس کی ثابت قدمی اور مستقل مزاجی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ایک طرح سے عصمت کی روح ہے جو تقسیم ملک کے فرقہ وارانہ فسادات کے طوفانی دور میں ایک مضبوط جڑ کی طرح اٹل رہیں جس سے اس کی سالمیت اور یکجہتی جڑی ہوئی تھی۔ بقول عصمت:

''سر آئے پیر گئے، مگر اماں اپنی جگہ پر ایسے جمی رہیں جیسے بڑھ
کے پیڑ کی جڑ آندھی طوفان میں کھڑی رہتی ہیں۔''[۵]

مسلمان خاندان کے پاکستان ہجرت کرنے کے بعد بوڑھی عورت تنہا رہ جاتی ہے۔ ان کے دل میں اپنے خاندان کے تئیں طرح طرح کے شکوک و شبہات ابھرتے ہیں، پتہ نہیں ان کے ساتھ وہاں کیا ہوگا۔ دوسری طرف روپ چند جی چوروں کی طرح سامنے خالی ڈھنڈھار گھر کو تاکتے نکلے اور تھوڑی دیر تک غبار کے بگولے میں بچھڑی ہوئی صورتوں کو ڈھونڈھتے رہے اور پھر ان کی ناکام نگاہیں مجرمانہ انداز میں اُجڑے دیار میں بھٹکتی ہوئی واپس زمین میں دھنس گئیں۔[۶] بوڑھی عورت نے کھمبے کا سہارا لیا اور کسی سوچ میں ڈوب گئی۔ مثلاً:

''زندگی کے ساتھی نے پچاس برس کے نباہ کے بعد منہ موڑا تھا
یہیں دروازے کے سامنے کفنائی ہوئی لاش رکھی تھی۔ سارا کنبہ
گھیرے کھڑا تھا۔ خوش نصیب تھے وہ جو اپنے پیاروں کی گود
میں سدھارے پر زندگی کی ساتھی چھوڑ گئے جو آج بے کفنائی
ہوئی لاش کی طرح لاوارث پڑی رہ گئی۔ پیروں نے جواب دیا
اور وہیں بیٹھ گئیں جہاں میّت کے سرہانے دس برس ان
کپکپاتے ہاتھوں نے چراغ جلایا تھا۔ پر آج چراغ میں تیل نہ
تھا اور بتی بھی ختم ہو چکی تھی۔''[۷]

افسانہ 'جڑیں' میں عصمت یہ باور کرانے کی کوشش کرتی ہیں کہ قومی یکجہتی کی جڑیں اتنی مضبوط تھیں کہ ان کی دوستی کی مضبوط جڑوں کو اکھاڑنا آسان کام نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب روپ چند کی بیوی بوڑھی عورت کو تنہا

دیکھ کر دو تھالیوں میں کھانا سجا کر لے جاتی ہے تو بظاہر دونوں میں سے کوئی کسی سے ہم کلام نہیں ہوتا لیکن اندر کی مضبوط جڑیں مزید استحکام کی طرف قدم بڑھاتی ہیں کہ روپ چند اپنے دوست کے خاندان کو واپس بلاتے ہیں۔ اس طرح ہندو مسلم دو خاندانوں کے دلوں پر جو عارضی زخم لگے تھے، وہ مندمل ہو جاتے ہیں اور پھر سے ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگتے ہیں۔ بوڑھی عورت خوشی کے مارے آنسو بہانے لگتی ہے:

''بھابھی آج تو فیس دلوا دو۔ دیکھو تمہارے لڑکوں کو لونی جنکشن سے پکڑ لایا ہوں۔ بھاگے جاتے تھے بدمعاش کہیں کے۔ پولیس سپرنٹنڈنٹ کا بھی اعتبار نہیں کرتے تھے۔ پھر بوڑھے ہونٹ میں کونپلیں پھوٹ نکلیں۔ وہ اٹھ کے بیٹھ گئیں۔ تھوڑی دیر خاموشی رہیں۔ پھر دو گرم گرم موتی لڑھک کر روپ چند جی کے جھریوں دار ہاتھ پر گر پڑے۔''[۸]

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ فسادات کے قریب لکھے جانے والے اکثر افسانوں کا انجام موضوعی اعتبار سے المناک ہے۔ مثلاً کرشن چندر کا ''ہم وحشی ہیں'' اور منٹو کے افسانوں ''کھول دو''، ''سیاہ حاشیے'' اور ''ٹھنڈا گوشت'' کا انجام قاری کو جھنجھوڑ کے رکھ دیتا ہے، لیکن عصمت واحد ایسی افسانہ نگار ہیں جن کے افسانے ''جڑیں'' کا انجام قاری کو مسرتوں اور مسکراہٹوں سے ہمکنار کرتا ہے۔ گویا عصمت نے انسانی شعور اور قومی یکجہتی کے جذبے کے ساتھ ساتھ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو مدغم کر کے متحد ہونے کی تعلیم دی ہے۔ وہ اپنے خاندان کے بارے میں لکھتی ہیں:

''میرا خاندان ایک بھیل پوری ہے۔ ہم سب کچھ بھول بھال کر پیار سے رہتے ہیں۔ ہولی، دیوالی، عید، شب برأت بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں۔ بائبل بھی پڑھی اور قرآن بھی ترجمے کے ساتھ ہی پڑھا۔ عربی میں نہیں اردو اور انگریزی میں۔ کتنا سکون ہے میرے دل و دماغ میں۔''[۹]

عصمت کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے افسانہ 'جڑیں' میں ابتدا تا اختتام قرابت، یگانت اور مفاہمت پر زور دیتی ہیں جس کے نتیجے میں دو مختلف مذاہب سے وابستہ گھروں کے بزرگ، ابا میاں اور روپ چند ملک کی سالمیت اور قومی یکجہتی کے دعویدار نظر آتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر ایم نسیم اعظمی:

''جڑیں'' انسان دوستی، بھائی چارگی، قومی یکجہتی، اتحاد و یگانگت اور مشترکہ گنگا جمنی تہذیب اور وطن پرستی کے جذبات سے لبریز ایک ایسا دلکش اور دلچسپ افسانہ ہے جو اپنی جڑوں سے جڑے رہنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس افسانہ کی کردار نگاری، طنز و مزاح کی چاشنی زبان و بیان کا حسن و دل کشی سب کچھ اتنا کامیاب اور دل نشیں ہے کہ یہ ایک کامیاب ترین افسانہ بن گیا ہے جو اردو میں تقسیم، فسادات، ہجرت اور فرقہ وارانہ موضوع پر لکھے گئے متعدد افسانوں میں اپنی نوعیت کا الگ، اچھوتا، منفرد اور ممتاز افسانہ تسلیم کیا جاتا ہے۔''[۱۰]

بحیثیت مجموعی عصمت چغتائی اگرچہ ایک ایسی فکشن نگار کے طور پر مقبول ہیں جنھوں نے اپنے افسانوی ادب کے ذریعے عورتوں کے مسائل کو اجاگر کیا اور اردو ادب میں تانیثی ڈسکورس قائم کیا، لیکن اس کے ساتھ ہی انھوں نے 'جڑیں' جیسا افسانہ لکھ کر قومی یکجہتی کو بھی فروغ دینے میں اہم رول ادا کیا۔ 'جڑیں' ایک ایسا افسانہ ہے جس میں عصمت نے دو مذہبوں اور دو تہذیبوں میں رشتۂ انسلاک پر زور دیا ہے۔ تاریخ کی نبض پر انگلی رکھنے کے ساتھ ساتھ انھوں نے سیاسی، سماجی اور قومی مسائل کا بھی تجزیہ کیا ہے۔ عصمت نہ صرف تماش بین کی حیثیت رکھتی ہیں بلکہ جدوجہد کے ہر موڑ پر عملاً برسرِ پیکار نظر آتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے فن میں ہر دور کی دھڑکنوں کو محسوس کیا جاتا ہے۔

حوالے و حواشی

۱۔ ڈاکٹر شمع افروز زیدی، باتیں عصمت آپا سے، مشمولہ 'عصمت چغتائی نقد کی کسوٹی پر' (مرتبہ: ڈاکٹر جمیل اختر)، انٹرنیشنل اردو فاؤنڈیشن، نئی دہلی، اگست ۲۰۰۱ء، ص: ۱۱۳

۲۔ جگدیش چندر ودھاون، عصمت چغتائی شخصیت اور فن، کتابی دنیا، دہلی، ۲۰۰۶ء، ص: ۱۸۵

۳۔ عصمت چغتائی، عصمت چغتائی کے سو افسانے، جلد دوم، کتابی دنیا، دہلی، ۲۰۰۸ء، ص: ۱۴۱

۴۔ ایضاً، ص: ۱۴۷

۵۔ ایضاً، ص: ۱۴۹

۶۔ ایضاً، ص: ۱۵۰

۷۔ ایضاً، ص: ۱۵۰، ۱۵۱

۸۔ ایضاً، ص: ۱۵۳

۹۔ ڈاکٹر شمع افروز زیدی، باتیں عصمت آپا سے، مشمولہ 'عصمت چغتائی نقد کی کسوٹی پر' (مرتبہ: ڈاکٹر جمیل اختر)، ص: ۱۰۲، ۱۰۳

۱۰۔ ڈاکٹر ایم نسیم اعظمی، اردو کے چند فکشن نگار: تنقید و تجزیہ، اصیلہ آفسیٹ پرنٹرس، نئی دہلی، ۲۰۱۵ء، ص: ۱۹۱

◆◆◆